© rasailojaraid.com

تعلیمی معیار بلند کرنا ہوگا اور زیادہ پیداواری بنانا ہوگا۔ مگر کیا ایسا ممکن ہے؟ یہی دراصل ایک واضح سوال ہے۔ مغربی حل بھی بالآخر منفی شرح پیدایش پر منتج ہوگا اور بات وہیں آجائے گی کہ بوڑھوں کی فوج اور نوجوانوں کا خاتمہ۔ بہرحال صورت حال خواہ کچھ بھی ہو، مگر یہ بات تو یقینی ہے کہ ایشیا کی اُبھرتی معاشی قوتوں میں سے چین اپنے امیر ہونے سے پہلے ہی بوڑھا ہو جائے گا۔

ماہر اقتصادیات اور سب سے زیادہ فروخت ہونے والی حالیہ کتاب The Economy of a Shrinking Population کے جاپانی مصنف آکی ہیکو میٹسوٹانی (Akihiko Matsutani) نے پیش گوئی کی ہے کہ جاپان کی معیشت ۲۰۰۹ء تک ''منفی ترقی'' (Negative Growth) کے عہد میں داخل ہو جائے گی۔ ۲۰۳۰ء تک قومی آمدن ۱۵ فی صد تک سکڑ جائے گی۔

جاپان میں شرح زچگی مسلسل چوتھے سال بھی کم ہوئی ہے اور اب یہ کمی ریکارڈ حد تک گر گئی ہے۔ ۲۰۰۳ء میں جاپان کی شرح زچگی ۲۹ء۱ ہو گئی تھی اور ۲۰۰۴ء میں ۲۸ء۱ ہوئی۔ اس شرح سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اوسطاً جاپانی عورت کے کتنے بچے ہوں گے۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اس شرح میں کمی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی حکومت کی زیادہ بچوں کی پیدایش کی مہم ناکام ہوئی ہے۔ جاپان دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جن میں شرح پیدایش بہت کم ہے۔ اس صورت حال کو بدلنے کے لیے جاپان کی حکومت نے کئی ایسے منصوبے شروع کیے ہیں جن سے والدین کو بچوں کو سنبھالنے اور دیکھنے میں مدد ملے۔ ان میں ملازمت کرنے والی ماؤں کے لیے چائلڈ کیر سنٹرز اور دیگر سہولتیں شامل ہیں۔ لیکن جاپانی خواتین کہتی ہیں کہ محض ان سہولتوں کی موجودگی سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا کیونکہ ان کا اصل مسئلہ معاشرے میں روایتی توقعات سے ہے۔ مردوں سے توقع کی جاتی ہے کہ دفتر میں دیر تک کام کریں، جب کہ خواتین سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ بچے کی پیدایش کے بعد نوکری بالکل چھوڑ دیں۔

غوروفکر کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ ایسے ممالک کا مستقبل خطرے میں ہے اور ماہرین اقتصادیات کے سامنے بہت تیکھے سوالات ہیں مثلاً جاپان کی مشہور زمانہ بلند ترین بچتوں کا معاملہ ہی لیں جن کے باعث جاپانی معیشت ہمیشہ محفوظ رہی ہے اور ان بچتوں سے دنیا بھر نے خصوصاً امریکا نے ادھار لے کر سرمایہ کاری کی ہے۔ اب جب کہ جاپان کا بڑھاپا قریب تر آتا جارہا ہے، تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ایسی صورت میں وہ اثاثے جو جاپانیوں کے ہیں ریٹائرمنٹ کی صورت میں انھیں درکار نہیں ہوں گے۔ انھیں واپس کرنے کی صورت میں امریکا میں اور پوری دنیا میں شرح سود میں اضافہ ہوگا۔ کیا جاپانیوں کو خود اپنے ملک میں سرمایہ کاری کے لیے مسابقت کے ماحول میں قلتِ سرمایہ کا سامنا نہیں ہوگا؟ جاپانی سرمایہ کار آخر کس چیز میں اندرونِ ملک سرمایہ لگائیں گے جب کہ صارفین بوڑھے ہوں گے؟ آخر وہ کون سی نئی چیزیں ان بوڑھوں کو مہیا کریں گے جو پہلے سے موجود نہیں ہیں؟ قومی انفراسٹرکچر پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ ماہر اقتصادیات میٹسو ٹانی کی پیش گوئی کے مطابق: ''قومی خزانے میں ٹیکس کی مَد میں حاصل ہونے والے کم محاصل کی وجہ سے حکومتیں مجبور ہوں گی کہ ملک میں سڑکوں، پُلوں، ریلوے لائنوں اور اسی قسم کے انفراسٹرکچر میں تعمیر و مرمت کے حوالے سے اخراجات میں کٹوتی کریں یا پھر کم از کم انھیں ملتوی کر دیں۔ زندگی کم آسان ہو جائے گی۔ نہایت صاف ستھرا ٹوکیو شہر ۷۰ء کے عشرے کا نیویارک جیسا بن کر رہ جائے گا۔ ۷۰ء کے عشرے میں نیویارک کے بہت سے شہری، اس شہر کو چھوڑ کر اس کے نواحی علاقے میں چلے گئے تھے جس کی وجہ سے نیویارک اس ٹیکس آمدن سے محروم ہو گیا جو اُس کے شہری ادا کیا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شہر کو چلانے والے ذمہ داران، زیادہ دیر تک شہر کے نظم و نسق کی دیکھ بھال نہ کر سکے۔ مگر کیا جاپانی اس مسئلے کا حل تلاش کر سکیں گے؟

آبادیاتی تبدیلیاں ملک کے مسائل کو چاہے وہ سماجی ہوں یا اقتصادی، بہت بڑھا دیتی ہیں۔ بہت زیادہ بوجھ تلے دبی فلاحی ریاست کو بڑھاپے کے مارے لوگ زوال سے دوچار کر دیں گے۔

تارکینِ وطن کی آمد کا خیال ہی پریشان کن ہے مگر شرح پیدائش کی یہ تبدیلیاں درآمد شدہ لیبر فورس میں اضافے کی ضرورت کو ظاہر کرتی ہیں جو آنے والے کل میں یورپ کے لیے فیصلہ کن معاملے کی حیثیت رکھتا ہے۔ سوچنے کی حد تک تو یہ بات دل کو آسان لگتی ہے کہ گھٹتی آبادی والے امیر ملکوں اور آبادی میں اضافہ جاری رکھنے والے غریب ملکوں کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج خود اچھے مواقع پیدا کرے گی۔ لیبر فورس زیادہ آبادی مگر کم وسائل کے حامل جنوب کے ممالک سے ترقی یافتہ شمال کا رخ کریں گے جہاں ملازمتوں کی بہتات کا جاری رہنے والا سلسلہ موجود ہوگا۔ سرمائے اور کمائی سے حاصل شدہ آمدنیاں امیر اقوام سے غریب اقوام تک منتقل ہوں گی جس کا سبھی کو فائدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگا۔ تصور سے ہٹ کر حقیقی دنیا میں اگر جائزہ لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عملاً ایسا ہو سکے گا؟ آیئے! ذرا اصل صورت بھی دیکھ لیں۔ اگر اہلِ یورپ کی جانب سے شمالی افریقہ سے وسیع پیمانے پر نقل مکانی کے بارے میں مزاحمت پر مبنی حالیہ رویہ مدنظر رکھا جائے اور جاپان کی صفر ترکِ وطن پالیسی بھی ذہن میں رہے تو پھر اوپر بیان ہونے والا خیال درست نہیں لگتا اور اس بارے میں خوش فہمی میں مبتلا رہنا درست نہیں ہے۔

یورپ اور ایشیا کے اکثر حصوں میں جب آبادی گھٹ رہی ہے تو ایسے میں امریکا کی مقامی آبادی (تارکینِ وطن کی آمد کو چھوڑ کر) نسبتاً استحکام کی حامل رہے گی۔ تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ شرح پیدایش میں کمی کے بادل امریکا پر منڈلاتے رہیں گے۔ اگر تارکینِ وطن کی آنے والی آبادی کو امریکا کی مجموعی آبادی میں شامل کرتے جائیں تو امریکا میں آبادی میں اضافے کی رفتار جاری رہے گی۔ اگلے ۴۵ برسوں میں امریکا کی آبادی میں ۱۰ کروڑ کا اضافہ ہوگا۔ ویٹن برگ کے تخمینوں کے مطابق یورپ اسی عرصے میں تقریباً اتنی ہی آبادی کے خسارے سے دوچار ہوگا۔ اس صورت حال کا مطلب یہ ہرگز نہیں لیا جانا چاہیے کہ آمدہ آبادیاتی تبدیلیوں کی نحوست سے امریکا بچ پائے گا۔ امریکیوں کو بھی بوڑھی ورک فورس اور اس سے متعلقہ مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا، مثلاً صحت اور سوشل سکیورٹی کا خرچہ ۲۰۰۰ء میں کل جی ڈی پی کا ۳ء۴ فی صد تھا جو ۲۰۳۰ء میں بڑھ کر ۵ء۱۱ فی صد جبکہ ۲۰۵۰ء میں امریکی کانگریس بجٹ آفس کے مطابق مزید بڑھ کر ۲۱ فی صد ہو جائے گا۔ اس کا معاشرتی پہلو بھی سامنے رکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ممکنہ نسلی تناؤ کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔ امریکا کی جامد سفید فام آبادی اور سیاہ فاموں کی کم ہوتی ہوئی آبادی، اسے امریکا کے کثیر الثقافتی سمندر میں مزید اقلیت میں تبدیل کردے گی۔ پھر آج کے اس زمانے میں جب اقوام کا انحصار ایک دوسرے پر ہے تو امریکا کے تجارتی شراکت داروں یعنی یورپ اور جاپان کے مسائل بھی خود امریکا کے مسائل بن جائیں گے۔ اس بات کی مثال کچھ یوں دی جاسکتی ہے کہ اس وقت ''چینی منڈی'' ایک بہت ہی بڑی منڈی کے طور پر بیان کی جارہی ہے اور اسی وجہ سے امریکی کمپنیوں نے چین میں بہت بھاری سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔ ذرا سوچیے کہ اگر ۲۰۵۰ء میں ایک تخمینے کے مطابق چین اپنی ۳۵ فی صد ورک فورس کھو بیٹھے گا اور بوڑھوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی تو پھر ان کمپنیوں کو منافع کی کیا شرح ہاتھ آئے گی؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امریکا کی آبادیاتی یک قطبی حیثیت خود امریکا کی سلامتی کے حوالے سے گہرے مضمرات رکھتی ہے۔ امریکا کو نام نہاد دہشت گردی اور ناکام ریاستوں کے حوالے سے کافی تشویش ہے۔ لانگ مین نے اپنی کتاب خالی پنگوڑا (The Empty Cradle) میں امریکی رہنماؤں کے حوالے سے نہ حل ہونے والے امکانات کا خاکہ پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ ایسی صورت میں امریکا کے لیے ادایگی میں مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

ایک طرف یہ تمام حقائق ہیں تو دوسری طرف اس صورت حال کو تسلیم کرنے سے انکاری گروہ بھی موجود ہے۔ اس کے لیے وہ یہ دلیل دیتا ہے کہ آبادی میں اضافے کی وہ کوششیں جو بعض یورپی ممالک کر رہے ہیں ضرور رنگ لائیں گی اور یوں آبادیاتی عدم توازن پیدا نہیں ہوگا۔ ان کے بقول فرانس اور ہالینڈ نے خاندان دوست پالیسیاں نافذ کی ہیں جو عورتوں کو کام کاج کرنے کے ساتھ ساتھ ممتا کے جذبے کے فروغ میں مددگار رہوں گی۔ ان خاندان دوست پالیسیوں کے تحت فرانس اور ہالینڈ میں ان ماؤں کو اپنے بچوں کو اوقات کار کے دوران ڈے کیئر مرکز میں رکھنے کے لیے' سرکاری مالی معاونت کے ساتھ ساتھ ٹیکسوں میں چھوٹ بھی دی جائے گی۔ سیکنڈے نیوین ممالک نے شرح پیدایش کو بلند رکھنے کی غرض سے فراخ دلانہ سہولیات بشمول جز وقتی ملازمت فراہم کی ہیں۔ ایسی ہی ترغیبات اور پروگرامات سکڑتی آبادی کے حامل ملک سنگاپور نے بھی دی ہیں جن میں دیگر سہولیات کے علاوہ حکومت کے زیرانتظام ''date service'' بھی ہے مگر اس کے باوجود آبادی میں کمی کی لہر کو اضافے میں بدلنے میں اس ''سروس'' کا بھی کوئی ''فائدہ'' نہیں ہوا ہے۔

آبادی کا مسئلہ مسلم اُمت کے لیے بڑی اہمیّت کا حامل ہے۔ مسلمانوں کی دینی تعلیم انھیں تحدید نسل سے روکتی ہے لیکن ان کی حکومتیں مغرب کے احکامات کے تحت تمام سرکاری وسائل اس تحریک کے فروغ میں صرف کر رہی ہیں۔ اس کے اثرات ہیں لیکن اتنے نہیں جتنے خود مغربی معاشروں میں ہوتے ہیں۔ مسئلہ صرف ذاتی یا انفرادی نہیں' اجتماعی اہمیّت کا ہے۔ آبادی کی' تعداد کی اہمیّت ہر دائرے میں اثرانداز ہوتی ہے۔ اس لیے دشمن مسلمانوں کی تعداد کم کرنا چاہتا ہے' جب کہ مسلمانوں کو اپنی تعداد میں مناسب اضافے کی فکر رکھنا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اخبارِ اُمت

وسطی ایشیا میں امریکی فوجی اڈے

ڈاکٹر عاطف عبدالحمید / ترجمہ: محمد ظہیرالدین بھٹی

دوسری عالمی جنگ کے خاتمے کے بعد دنیا دو عالمی طاقتوں کی نگرانی میں تھی۔ برطانیہ کے زوال کے بعد امریکا اس کا جانشین بنا تھا' جب کہ دوسری سوپر پاور سوویت یونین تھی' جو اب روس تک محدود ہو چکی ہے۔ اب پوری دنیا میں امریکا ہی واحد قوت کے طور پر اُبھرا ہے۔ جنوبی ایشیا اور وسطی ایشیا میں امریکا نے ۳۴ فوجی اڈے قائم کر رکھے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے: خلیج عرب کے علاقے میں ۱۵' پاکستان اور افغانستان آٹھ' عراق چار' ترکی ایک' جارجیا ایک' آذربائیجان مسلسل امریکی فوجی موجود۔ کرغیزستان' تاجکستان اور ترکمانستان پانچ (عراق سے امریکا کے انخلا کے بعد وہاں چار اڈے قائم رہیں گے' باشور شمالی کردستان: ا' بغداد: ا' ناصریہ: ا' مغربی عراق: ا)۔

علاوہ ازیں جاپانی جزیرہ اکیناوا' فلپائن اور مشرق میں جنوبی بحر چین سے لے کر مغربی ساحلوں تک دنیا کے متعدد علاقوں میں امریکی فوجی اڈوں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ حال ہی میں امریکا کی طرف سے یہ اعلان بھی ہوا ہے کہ مراکش کے علاقہ طانطان میں بھی امریکی فوجی اڈا و بحری مستقر قائم کیا جا رہا ہے۔

وسطی ایشیا کے ممالک پانچ اسلامی ریاستوں: کرغیزستان' تاجکستان' ازبکستان' ترکمانستان اور قازقستان پر مشتمل ہیں۔ ۱۹۹۱ء میں سابق سوویت یونین کے سقوط کے بعد آزاد ہونے پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمیونسٹ مکتب فکر کے لیڈروں نے ان پر تسلط جمالیا۔ مگر جلد ہی یہ پانچوں مسلم ممالک امریکی چنگل میں آ گئے۔ سانحہ ستمبر کے بعد تو امریکی حکمرانوں نے ان پر اپنی گرفت زیادہ مضبوط کر لی۔ انھوں نے افغانستان اور عراق پر قبضہ کر کے وہاں بیسیوں فوجی اڈے بنائے۔

پیٹرک مارٹن (Patric Martin) کی تحقیقی رپورٹ کے مطابق کرغیزستان میں واقع امریکی اڈا ۴۰ ہیکٹر علاقے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ دارالحکومت بیشکک سے تقریباً ۳۰ کلومیٹر کی مسافت پر ہے۔ یہ اپنے قریبی ہوائی اڈے ماناس کی مناسبت سے ماناس بیس (base) کہلاتا ہے۔ یہ امریکی اڈا فضائی مستقر ہے۔ یہ ۳ ہزار فضائی ہتھیاروں کی گنجایش رکھتا ہے۔ یہاں سے افغانستان میں سرگرم امریکی افواج کو امداد اور راشن وغیرہ سپلائی کیا جاتا ہے۔ یہاں لڑاکا طیارے بھاری تعداد میں موجود رہتے ہیں۔ یہاں سے جاسوسی طیارے اواکس پڑوسی ممالک کی جاسوسی کے لیے پرواز کرتے ہیں۔ ماناس سے شمالی کابل تک اسلحہ' ایندھن اور راشن کی ترسیل میں ہوائی پرواز میں چند منٹ لگتے ہیں۔ پاکستان میں موجود ہوائی اڈوں سے بھی چند لمحوں کی پرواز کے بعد طیارے افغانستان میں مطلوبہ ہدف تک پہنچ جاتے ہیں۔ کرغیزستان کا اڈا اپنی نوعیت کا منفرد اڈا ہے جو برّی اور فضائی دونوں مقاصد کے لیے بیک وقت استعمال ہوتا ہے۔ یہاں پر حلیف یورپی ممالک کی افواج کا بھی خیر مقدم کیا جاتا ہے جو تربیت اور امریکی افواج کے ساتھ مشترکہ کارروائیوں کے لیے اس اڈے پر پہنچتی رہتی ہیں۔

ماناس بیس سے ۹۰۰ کلومیٹر کی مسافت پر خان آباد میں امریکی اڈا قائم ہے۔ ازبکستان کی سرزمین میں واقع یہ اڈا کارشی شہر کے قریب ہے۔ یہ شہر ترکمانستان کی سرحدوں کے بالکل قریب ہے۔ یہ درمیانے حجم کا اڈا ہے جو برّی اور فضائی افواج کے تقریباً ایک ہزار افراد کی گنجایش رکھتا ہے۔

تاجکستان میں امریکی افواج کے تین اڈے موجود ہیں۔ ایک اڈا وادی فرغانہ میں ہے جو کرغیزستان' ازبکستان اور تاجکستان کی عسکری لحاظ سے انتہائی اہم تکون ہے۔ باقی دو اڈے خوجاند اور قورغون تیپ میں ہیں جو افغانی سرحدوں کے قریب واقع ہیں۔ آذربائیجان میں ابھی تک کوئی امریکی فوجی اڈا قائم نہیں ہوا' تاہم اسے عسکری تعاون حاصل ہے۔ امریکا اور ترکی کی طرف سے

© rasailojaraid.com